قاہرہ ۲۴؍اپریل ۱۹۶۴ء)۔

(د) جرائم ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پیشانی پر کلنک کا داغ ہیں۔ پولیس کے رجسٹر ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں کہ تجارتی مقامات سے خرید و فروخت کے دوران لوگوں کی خرید کردہ اشیاء یا دوکانداروں کی چیزیں اچک لی گئیں۔ اور خواتین کے بیگ تک ان سے چھین لیے گئے۔ دوسری طرف ایوان ہائے عدالت سلب و نہب اور قتل و خونریزی کے مجرموں سے معمور ہوتے ہیں۔

۔ امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک جو علوم و معارف اور تہذیب و تمدن کا گہوارا سمجھے جاتے ہیں کا حال یہ ہے کہ رہائشی علاقوں میں نصف سے زائد لوگ غروب آفتاب کے بعد گھروں سے باہر نکلتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔ اور ایک ثلث کے قریب ایسے حضرات ہوتے ہیں کہ قبیلے میں کسی اجنبی کو دیکھتے ہی جن کے چہرے کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ اور آبادی کا ایک خمس وہ اصحاب ہیں جو خوف و اضطراب کے مارے نکل بھاگنا چاہتے ہیں لیکن نہیں جانتے کہ کدھر جائیں اور کہاں امن و سکون میسر آسکتا ہے؟ علاوہ ازیں ہر سال ان لوگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے جو نقل مکانی کر جاتے ہیں یا اپنے گھروں اور موٹروں میں بندوقیں اور دوسرا آتشیں اسلحہ رکھنے کے اجازت نامے حاصل کرتے ہیں۔ نیز حفاظت و نگہبانی کرنے والے موٹے تازے درندہ صفت کتوں کا وجود تو گھروں کی فطری ضرورت بن چکا ہے۔

یہ سب نتائج کس بات کے ہیں؟ نام نہاد شخصی آزادی کے۔ انارکی و بے راہروی کے اور عقیدہ و ایمان سے بے زاری کے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ بدعنوانیوں، در جرائم سے بھرپور ایسے معاشرے کو کیا کوئی نسبت ہوسکتی ہے اُس پُرسکون اور خوشگوار معاشرے سے جسے عقیدہ و ایمان جنم دیتا ہے۔ جہاں کسی کی زبان اور ہاتھ دوسرے کے مال جان اور عزت پر حملہ آور نہیں ہوتا۔ جہاں چوری اور ڈاکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لوگ کامل یکسوئی اور اطمینان سے اپنے مال و اسباب سے بھری ہوئی دوکانیں کھلی چھوڑ جاتے ہیں۔ جہاں گھروں کے دروازوں کو تالا لگانا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ جہاں ہر آدمی دوسرے کو بھائی سمجھتا ہے اور اس کی ہمدردی اور خیر خواہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

ایمان اور حیاتِ دنیا | آخری سوال جو ایمان سے ہٹ کر زندگی بسر کرنے والے لوگ کرتے ہیں یہ ہے کہ عقیدۂ ایمان، حیاتِ دنیا کے لیے سعی و جدوجہد کا قائل نہیں اس کی نظر میں دنیا کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور وہ تمام توجہ اخروی زندگی پر ہی مرکوز رکھتا ہے۔ اس سوال کا جواب یہاں از سرِ نو شرح و بسط سے

دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک گذشتہ باب میں "ایمان اور اس کے مادی واقتصادی نتائج" کے زیرِ عنوان ہم اس پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ایمان پر مبنی تعلیمات دنیا کی زندگی کے لیے بھی اسی طرح رہنما اصول ہیں جس طرح کہ آخرت کے لیے۔ دنیوی زندگی کے مسائل ومشکلات کا ان میں حل بتایا گیا ہے اور ان سے زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہوتا ہے پھر آخر اس سوال میں کیا معقولیت ہے کہ ایمان حیاتِ دنیا سے دلچسپی نہیں رکھتا۔ زیرِ نظر کتاب "الایمان والحیٰوۃ" کے سینکڑوں صفحات میں جن امور کو زیرِ بحث لایا گیا ہے ان کا تعلق دنیا کی زندگی سے ہی تو ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حیاتِ دنیا اور اس کے سروسامان سے وہ مجنونانہ وابستگی کا قائل نہیں کیونکہ یہ چیزیں بہرحال ناپائدار اور فانی ہیں تاہم ایک دانا و بینا شخص کو زوال پذیر اور فنا انجام اشیاء سے ان کی افادیت کے پیشِ نظر جتنا تعلق رکھنا چاہیئے اور ان کے حصول کے لیے مناسب حد تک جتنی سرگرمی دکھانی چاہیئے ایمان اس کا ضرور قائل ہے اس سے زیادہ کا نہیں۔

رسائل و مسائل

(ملک غلام علی)

تعلیمِ قرآن اور خدماتِ دینیہ پر اُجرت کا جواز و عدم جواز

سوال :- ایک مسئلہ مطالعہ کے دوران میں بار بار ذہن میں کھٹکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ کے ذریعے سے حل ہو جائے۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک آبادی کے قریب سے گزری جس میں ایک شخص کو سانپ یا بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ ان میں سے ایک صحابی نے چند بکریاں لینا طے کیا اور مریض پر سورۃ فاتحہ پڑھی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ دوسرے صحابہ نے بکریاں لینے پر اعتراض کیا۔ پھر یہ لوگ مدینہ پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کیا تو آنحضورؐ نے فرمایا: ان احق ما اخذ تم علیہ اجراً کتاب اللہ۔ اس کے ساتھ ہی دوسری حدیث حضرت عبادہؓ نے روایت کی ہے: قال قلت یا رسول رجل اھدی الیّ قوسا من کنت اعلمہ الکتاب والقران ...... قال ان کنت تحب ان تطوق طوقاً من النار فاقبلھا۔ اس حدیث کی رو سے قرآن مجید سکھانے پر کمان جیسی معمولی اجرت لینا بھی موجبِ عذاب ٹھہرا۔

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق و توفیق دینا میرے لیے مشکل ہے۔ اگر حدیث میں صرف ایک ہی حکم بیان ہوتا، خواہ ممانعت کا یا اباحت کا تو اسی کے مطابق عمل کیا جاتا، مگر بیک وقت دونوں کی پیروی کیسے ہو سکتی ہے؟ تعلیم قرآن سے ملتا جلتا معاملہ امامت، خطابت اور دینی تعلیم و تدریس کا ہے۔ پھر دینی تعلیم کی بھی مختلف صورتیں ہیں بعض اجتماعی اور بعض انفرادی۔ مثلاً ایک معلم یا قاری کسی شخص کے گھر پر آ کے یا اس کے بچوں کو قرآن مجید پڑھاتا یا قرأت سکھاتا ہے اور اس پر اپنا وقت لگاتا اور محنت کرتا ہے تو کیا اس معلم کے لیے گھر والوں سے کوئی معاوضہ لینا حرام ہوگا؟ بظاہر یہ

بڑا مشکل اور ناقابل عمل نظر آتا ہے۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس بارے میں مذکورہ احادیث کا مدعا و منشاء صحیح طور پر واضح کیا جائے۔

جواب: جو اہلِ علم کتاب اللہ اور علوم دینیہ سکھانے یا کوئی دوسری دینی خدمت بجا لانے میں وقت اور قوت صرف کرتے ہیں، علمائے سلف کا ان کے بارے میں تقریباً اتفاق ہے کہ وہ معروف طریق کے مطابق ان خدمات کا اجر و معاوضہ لینے کے شرعاً مستحق ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ عبادات پر اُجرت لینا جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے مطابق امامت، خطابت اور تعلیم قرآن پر مادی معاوضہ لیا جاسکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے اور اس پر اُجرت لینے کی جس حدیث کا ذکر آپ نے کیا ہے وہ بخاری کتاب الطب اور کتاب الاجارہ میں وارد ہے۔ اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوسعیدؓ خدری ہیں۔ حضرت ابوسعیدؓ کی روایت جو ابواب الاجارہ میں ہے، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اصحاب کرام ایک سفر پر روانہ ہوئے حتیٰ کہ وہ عربوں کے ایک قبیلے کے ہاں پہنچے اور ان سے طعامِ ضیافت کے طالب ہوئے مگر انھوں نے میزبانی سے انکار کر دیا۔ اس قبیلے کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ قبیلے والوں نے ہر جتن کیا مگر کوئی تدبیر فائدہ مند نہ ہوسکی۔ چنانچہ وہ صحابہ کرام کے پاس آئے کہ شاید ان کے پاس کوئی علاج ہو۔ انھوں نے کہا کہ اے اہل قافلہ ہمارے سردار کو زہریلے جانور نے کاٹ کھایا ہے اور کوئی چیز کارگر اور نافع نہیں ہوئی۔ کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی علاج ہے۔ قافلے کے ایک فرد نے کہا ہاں، خدا کی قسم میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں، لیکن خدا گواہ ہے کہ ہم نے تم سے کھانا مانگا اور تم نے انکار کر دیا۔ پس میں اس وقت تک دم نہیں کروں گا، جب تک تم اس کا معاوضہ ہم سے طے نہ کرو گے۔" چنانچہ انہوں نے بکریوں کا ایک گلّہ عوض میں دینے کا معاہدہ کیا۔ پھر ان صحابیؓ نے سورۂ فاتحہ پڑھ پڑھ کر دم کرنا شروع کر دیا تو مارگزیدہ اس طرح ہوگیا گویا اس کے بند کھول دیئے گئے ہیں اور وہ بلا تکلف چلنے پھرنے لگا۔ اس کے بعد اہل قبیلہ نے بکریاں ان کے حوالے کر دیں۔ صحابہ کرام میں سے بعض نے کہا کہ انہیں آپس میں تقسیم کر لو مگر دم کرنے والے صاحبؓ نے کہا کہ ابھی ایسا نہ کرو۔ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا ماجرا بیان کریں گے، دیکھیں، آپ کیا فرماتے ہیں۔ پس وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور واقعہ سنایا۔ آنحضورؐ نے فرمایا: اچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس طرح دم کیا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے ٹھیک کیا اور

مسکراتے ہوئے فرمایا کہ انہیں تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احق ما اخذتم علیہ اجرًا کتاب اللہ۔	اللہ کی کتاب اس کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس پر معاوضہ حاصل کرو۔

اس حدیث کے بارے میں بعض سوالات و اشکالات ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں لیکن وہ لاینحل نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس واقعہ کا تعلق تعلیم کتاب سے نہیں ہے، جن لوگوں سے بکریاں لی گئیں وہ مہمان نوازی کی صفت سے عاری تھے، ان کے مسلمان ہونے کی بھی تصریح نہیں ہے اور صحابہ کرام اس وقت مسافرت و احتیاج میں مبتلا تھے۔ اس لیے یہ عمل قابلِ غور ہے کہ اس سے تعلیمِ قرآن پر اُجرت لینے کا عمومی اور علی الاطلاق جواز کیسے ثابت ہو گا؟ جامعین حدیث میں سے اکثر حضرات اس حدیث کو اجارہ، طب اور رقیہ وغیرہ کے ابواب میں لائے ہیں جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اس قصے کا تعلق دینی تعلیم و تعلّم سے نہیں ہے۔ مگر ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بہر حال یہ تو ثابت ہے کہ آیات قرآنی کے استعمال کے عوض میں مادی منفعت پیشگی طے شدہ معاہدے کے تحت حاصل کی گئی۔ اس کے حاصل کرنے والے صحابہ کرام شریعت کے اوامر و نواہی کے مکلف تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو جائز قرار دیا، بلکہ یہ اصولی بات ارشاد فرمائی کہ اگر تم دوسری خدمات کا معاوضہ لے لیتے ہو تو کتاب اللہ کے ذریعے سے اگر تم نے کسی کی حاجت روائی کی ہے اور اسے فائدہ پہنچایا ہے تو تم اس کا بدل لینے کے زیادہ حقدار ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اضطراری یا استثنائی صورت بھی قرار نہیں دیا، بلکہ اس میں سے خود اپنا حصہ بھی طلب فرمایا، گو مزاحاً ہی سہی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اس حدیث کا اطلاق براہ راست تعلیمِ قرآن پر نہیں ہوتا، تب بھی اس سے بجا طور پر قرآن مجید پڑھانے پر اُجرت لینے کے حق میں بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح کلام اللہ پڑھ کر پھونکنا ایک مریض کے لیے مفید ہو سکتا ہے اسی طرح اس کی تعلیم بھی ایک متعلّم کے حق میں نافع ہو سکتی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

استدل بہ الجمھور فی جواز اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن۔	تعلیم قرآن پر اُجرت لینے کے جواز میں اس حدیث کی رُو سے علمائے امت کی اکثریت نے استدلال کیا ہے۔